پروفیسر مشتاق خان کیانی (لندن)

# ’’پاک اسرائیل دوستی کی ضرورت‘‘

محترم پروفیسر مشتاق خان کیانی، پاکستانی نژاد برطانوی ہیں۔ وہ ایچ ای سن کالج لاہور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں برطانیہ منتقل ہوگئے اور ایک طویل عرصہ آکسفورڈ یونیورسٹی پڑھاتے رہے۔ تاریخ ان کا موضوع ہے۔ آج کل لندن میں مقیم ہیں۔ گزشتہ دنوں سفر برطانیہ کے دوران اُن سے رابطہ ہوا۔ بہت سے موضوعات میں ہمارے ہم فکر ہیں۔ ہم ’’نقیبِ ختمِ نبوت‘‘ میں انھیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اور توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی تحریروں اور قیمتی آراء کے ذریعے ہماری رہنمائی فرماتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ (عبداللطیف خالد چیمہ)

-----------

’’اردو ٹائمز‘‘ یو کے ۳ مئی ۲۰۰۷ء کے شمارہ میں جناب وجاہت علی خان کا ایک مضمون بعنوان بالا چھپا ہے۔ جو کہ بدقسمتی سے سراسر غلط بیانی پر مبنی ہے۔ موصوف نے حالات اور واقعات کو توڑ موڑ کر قارئین کو گمراہ کرنے کی سعیٔ لا حاصل کی ہے اور اپنی ذاتی ترجیحات اور خواہشات کو ’’قومی مفاد‘‘ کا جامہ پہنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسرائیلیوں سے وجاہت علی خان صاحب کے ذاتی رابطے اور نجی تعلقات کس نوعیت کے ہیں، اس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ مگر ناؤ نوش اور حسینوں کی محفلیں جمانا اور نوجوان صحافیوں کو اس دامِ تذویر میں گرفتار کرنا اسرائیلیوں کے پرانے اور آزمائے ہوئے حربے ہیں۔ نوجوان تو کیا بڑے بڑے پختہ کار اور تجربہ کار لوگ بھی بہک جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایک گلاس بیئر (Beer) میں بہک گئے

سرظفر اللہ خان (قادیانی) جیسے تجربہ کار اور قانون دان بھی صہیونی (Zionism) حربوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ۱۹۴۵ء تک سرظفر اللہ تقسیم فلسطین اور عرب سرزمین پر ایک یہودی مملکت کے قیام کے خلاف تھے۔ مگر ۱۹۴۵ء کے آخر میں وہ ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن آئے۔ یہاں ان کی ملاقات مسٹر چیم ویز مین (Mr. Chaim Weizman) سے ہوئی جو یہودی ایجنسی کے سربراہ تھے۔ مسٹر ویز مین نے سرظفر اللہ کو فلسطین آنے کی دعوت دی جو سرظفر اللہ خان نے بصد شوق قبول کر لی اور اپنے آپ کو مکمل طور پر صہیونی منتظمین کے حوالے کر دیا۔ صہیونی شاطروں نے فقط ایک ہفتہ کے اندر نہ جانے کیا جادو چلایا کہ سرظفر اللہ نہ صرف صہیونیت (Zionism) کے قائل بلکہ حامی اور ایک فعال کارکن بن گئے اور تقسیم فلسطین کے صہیونی (Zionist) منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بھرپور کوششیں شروع کیں۔

اس تاریخی حوالے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب سرظفر اللہ خان جیسے گرگ جہان دیدہ کو صہیونی اسرائیلی

شاطروں نے ایک ہفتہ کے اندر شیشے میں اتارا تو وجاہت علی خان جیسے سیاسی اور صحافی طفل مکتب کو لندن کے ایک ہوٹل میں ایک گلاس بیئر (Beer) پلا کر صہیونیت کا مبلغ بنانا نہ تو کوئی بڑا کارنامہ ہے اور نہ ہی یہ کوئی تعجب کی بات ہے۔

البتہ وجاہت علی خان صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات دیرینہ مگر ہمیشہ خفیہ رہے ہیں اور اس کی ایک تاریخی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان تھے۔ وہ پاکستان کی خارجہ پالیسیوں کے نہ صرف معمار تھے بلکہ روح رواں تھے۔ ان کے بنائے ہوئے اصولوں، ترجیحات اور خواہشات پر پاکستانی خارجہ پالیسی کی عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ سر ظفر اللہ خان ایک کٹر قسم کے صہیونی تھے اور اسرائیل کے قیام وبقاء کے زبردست حامی تھے۔ پاکستان کی انتظامیہ میں خطاب یافتہ جاگیرداروں اور انگریز کا پروردہ ایک بااثر ٹوڈی ٹولہ بھی موجود تھا۔ جس کی تمام ہمدردیاں اور تعاون سر ظفر اللہ خان کے ساتھ تھیں۔ مگر گورنر جنرل محمد علی جناح اور وزیراعظم لیاقت علی خان مسلم اور عرب سرزمین پر ایک صہیونی ریاست کے قیام کے خلاف تھے اور اسرائیل کو مسلمانوں کے مجموعی مفادات کے خلاف ایک سامراجی صہیونی سازش سمجھتے تھے۔

جب سر ظفر اللہ خان نے دیکھا کہ پاکستان کے بانی اور وزیراعظم اسرائیل کے سخت مخالف ہیں تو اس نے روایتی منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ریاکارانہ اور ظاہری طور پر فلسطینیوں کے حق میں اقوام متحدہ میں بڑی طویل اور بے معنی تقریریں شروع کیں اور یہ تاثر دیا کہ وہ فلسطینیوں کے حق میں اور اسرائیل کے خلاف ہے مگر یہ سب محض دکھاوا تھا۔ اندر سے اور خفیہ طور پر وہ اسرائیلی مفادات کے لیے کام کر رہا تھا اور اسرائیلیوں کو یقین دلا رہا تھا کہ پاکستان عنقریب اسرائیل کو تسلیم کرے گا اور سفارتی تعلقات قائم کرے گا۔

چنانچہ ۱۹۵۰ء میں اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے سفیر ایس اے بخاری نے اسرائیلی سفیر مسٹر ابا ایبان (Abba Eban) کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان بہت جلد اسرائیل کو تسلیم کرلے گا۔ ۱۹۵۳ء میں نیویارک میں مسٹر ایبان کی سر ظفر اللہ خان سے ملاقات ہوئی تو مسٹر ایبان نے پوچھا پاکستان نے ابھی تک اسرائیل کو تسلیم کیوں نہیں کیا۔ سر ظفر اللہ خان نے پھر جھوٹ اور بددیانتی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا کہ لیاقت علی خان اسرائیل کے حق میں تھے اور سفارتی تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ مگر ان کے قتل کے بعد خواجہ ناظم الدین کی نئی حکومت بہت کمزور ہے اور اس وقت اسرائیل کو تسلیم کر کے عوامی ردّعمل سے خائف ہے۔ اس لیے اسرائیل کو تسلیم کرنے میں فی الحال ذرا دقت پیش آ رہی ہے۔ یہاں یہ مناسب ہوگا کہ تاریخی حوالے اور پس منظر میں سر ظفر اللہ خان کے چہرے سے پردہ اٹھایا جائے اور ان کو ان کے اصلی روپ میں پیش کیا جائے تاکہ قارئین خود فیصلہ کریں کہ اس وقت پاکستان میں جو حالات رونما ہو رہے ہیں اُن میں کن کن وطن فروش اور نقاب پوش غداروں کی سازشیں کارفرما ہیں۔ غداری اور منافقت کے جو بیج سر ظفر اللہ اور سر فیروز خان نون نے بوئے تھے اب وہ ایک قدآور درخت بن گئے ہیں اور پاکستانی عوام کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے:

وہ وقت بھی دیکھا ہے تاریخ کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

سرظفراللہ خان (۱۸۹۳ء۔۱۹۸۵ء) عقیدے کے لحاظ سے احمدی (قادیانی) تھے اور مرزا غلام احمد (۱۸۳۸ء۔۱۹۰۸ء) کو نبی اور پیغمبر مانتے تھے۔ قادیانیوں کے عقیدے کے مطابق ہر وہ انسان جو مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتا وہ کافر اور اگر مسلمان ہے تو وہ خارج از اسلام ہے۔

مرزا غلام احمد کو نبوت کے درجے تک پہنچانے میں اور نبی بنانے میں انگریز سامراج کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اٹھارہویں صدی سے انگریزوں نے اپنے نوآبادیاتی نظام کے ذریعے ایشیا اور شمالی افریقہ کے اُن تمام علاقوں پر قبضہ جمالیا تھا جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی تھی۔ چونکہ اسلام ظلم، تشدد اور استحصال کے خلاف ہے اور جب اس طرح کے حالات سے مسلمان دوچار ہوں تو اسلام مزاحمت کی تعلیم دیتا ہے اور مسلمانوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ ظلم، استبداد اور ناانصافیوں کے خلاف نہ صرف آواز بلند کریں بلکہ عملی طور پر اُن طاغوتی طاقتوں کو چیلنج کریں اور مزاحمت کریں۔ یہ مزاحمت عسکری اور غیر عسکری بھی ہوسکتی ہے۔ اسلامی اصطلاح میں اس مزاحمت کو جہاد کہتے ہیں۔

انگریز سامراج مزاحمت (جہاد) کے اس تصور سے بہت خائف تھے اور اُن کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں۔ ان کو یہ ڈر تھا کہ کہیں یہ سارے مسلمان متحد ہوکر ہمارے خلاف مزاحمت (جہاد) کی جنگ شروع نہ کردیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا انگریزی سامراجی خارجہ پالیسی کا ایک بہت اہم جزو بن گیا تھا۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ایک ایسا حل تلاش کریں جو مسلمانوں کو اس مزاحمت (جہاد) کے نظریہ سے دور ہٹادے اور بجائے مقابلہ اور مزاحمت کے فرماں بردار، تابع اور خدمت گار بناکر نوآبادیاتی نظام کے سامراجی مقاصد کے حصول کے لیے معاون و مددگار بنائے۔

مرزا قادیانی کی صورت میں سامراج کو وہ سب کچھ مل گیا جس کی ان کو تلاش تھی۔ کیوں کہ مرزا قادیانی نے ظلم واستبداد کے خلاف جنگ (جہاد) کو نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ انگریز کی وفاداری اور خدمت کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھیں اور ہمہ وقت خدمت کے لیے تیار رہیں۔ مرزا قادیانی کی گمراہ کن اور انگریز پرست تعلیمات کے نتیجہ میں عام مسلمان اس کے خلاف ہوگئے اور ایک ایسا بھی مرحلہ آیا جہاں ان کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ مگر انگریز سرکار نے ان کو بچالیا اور ان کی جانی اور مالی حفاظت کے انتظامات کیے گئے۔ اس واسطے مرزا قادیانی انگریز سامراج کے بہت مشکور وممنون اور نہایت احسان مند تھے اور انگریزی سامراجی حکومت کو رحمت الٰہی سمجھتے تھے۔ عقیدت مندوں کو حکم تھا کہ وہ انگریز سے وفاداری اور خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کریں بلکہ عبادت سمجھ کر ادا کریں۔

اس پس منظر میں سرظفر اللہ کو اس کے آقا انگریز سامراج کا حکم ہوا کہ وہ سامراج کے نوآبادیاتی نظام (Colonialism) کے مفادات کے حصول کی خاطر صیہونیت (Zionism) کے قیام وبقاء کے لیے کام کرے تو وہ فوراً

کمر بستہ ہوکر ایک سپاہی کی طرح میدانِ عمل میں کود پڑے۔ وطن عزیز کے عام اور دانشور لوگوں کو اکثر یہ کہتے سنا ہے کہ بد قسمتی سے پاکستان بننے کے بعد حالات خراب ہوتے چلے گئے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں قسمت یا اتفاق کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ جو حالات اب تک رونما ہو رہے ہیں، یہ ایک سوچی سمجھی سامراجی منصوبہ بندی کے نتائج ہیں اور اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے سر ظفر اللہ خان اور اس کے بعد سر فیروز خان نون پاکستان کے وزیر خارجہ بنا دیئے گئے تھے تاکہ پاکستان ہمیشہ کے لیے سامراج کا آلہ کار اور حلقہ بگوش غلام بنا رہے۔ کیوں کہ ان دونوں حضرات کے عہدِ وزارت کے دوران پاکستان کو بلاوجہ اور بلاضرورت مغربی سامراجی عسکری علاقائی پیکٹوں اور تنظیموں میں پھنسایا گیا اور پاکستان اپنے ہمسایہ مسلم ممالک سے دور ہوکر مغربی سامراج کا اتحادی بن گیا۔ اس دوران چار بدنام زمانہ پیکٹ وجود میں آئے:

(۱)　سیٹو (Seato)

(۲)　سنٹو (Cento) یا بغداد پیکٹ

(۳)　امریکن مڈل ایسٹ ڈیفنس آرگنائزیشن (MEDO)

(۴)　موچل ڈیفنس ایگریمنٹ (M.D.A)

ان تمام فوجی معاہدوں اور پیکٹوں کے چار بنیادی مقاصد تھے:

(۱)　مشرق وسطی کے تمام تیلی ذخیروں اور وسائل پر برطانوی اور امریکی سامراج کا مستقل اور بلاشرکتِ غیرے قبضہ اور ان کا استحصال

(۲)　سامراج کے خلاف ابھرتی ہوئی رائے عامہ کو دبانا اور ان میں انتشار پیدا کرنا اور حریت پسند رجحانات اور تنظیموں کو کچلنا

(۳)　اسرائیل کے بقاء واستحکام کے لیے اس کے ہمسایہ ملکوں کو اس قدر کمزور رکھنا کہ وسائل کے باوجود وہ مغرب کے سہارے کے محتاج ہوں

(۴)　مغرب پرست عسکری آمروں اور مطلق العنان بادشاہوں کی ہرصورت اور ہر حال میں مدد کرنا اور ان کو اقتدار پر قائم رکھنا

سر ظفر اللہ خاں کی ان تھک کوششوں کے نتیجہ میں پاکستان نہ صرف ان تمام مسلم دشمن معاہدوں میں شامل ہوگیا بلکہ ایک فعال ممبر کی حیثیت سے پاکستان نے وہ تمام اہداف پورے کیے جو اِن معاہدوں کے تقاضے تھے۔ ان ''خدمات'' کے عوض میں اور شاندار کامیابی پر ۱۹۵۴ء میں امریکی صہیونی انتظامیہ نے سر ظفر اللہ خاں کو انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس ہیگ میں جج نامزد کر کے مقرر کیا۔ حکومت پاکستان کو بتایا تک نہیں۔

صہیونیت (Zionism) کے یہ انعامات اور اکرامات صرف ظفر اللہ خان کی ذاتِ گرامی تک محدود نہیں تھے بلکہ قادیانیوں کو اسرائیل میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس وقت کوئی ایک ہزار سے زائد قادیانی اسرائیل میں مستقل

سکونت پذیر ہیں اور ان کو وہی مراعات حاصل ہیں جو اسرائیلیوں کو حاصل ہیں۔مثلاً وہ فوج اور پولیس میں بھرتی ہوکر فلسطینیوں کے قتل عام میں حصہ لے سکتے ہیں۔

سر ظفر اللہ خاں کے جانے کے بعد پاکستانی وزارت خارجہ میں سر ملک فیروز خان نون براجمان ہوئے۔ملک صاحب برطانوی سامراج کے ایک تجربہ کار اور نمک خوار خادم تھے۔آقا کی خدمت اور تابعداری ان کی قدیمی خاندانی روایات میں شامل تھی۔وہ بجا طور پر فخریہ اور برملا کہہ سکتے تھے:

غدر کی ساعتِ ناپاک سے لے کر آج تک
ہر کڑے وقت میں انگریز کی خدمت کی ہے

اس وفاداری اور خدمت گزاری کے عوض ان کو جاگیروں،عہدوں اور خطابات سے نوازا گیا تھا۔وہ سامراج کے تاج میں ایک درخشاں ستارے کے مانند تھے۔انگریزوں کو پورا احساس تھا کہ سر فیروز خان نون اور اس قماش کے دوسرے ٹوڈی جاگیرداروں کے تعاون اور خدمات کی وجہ سے ان کی حکومت کو ہندوستان میں دوام حاصل ہے۔لہٰذا وہ ایسے خادموں کے لیے ہمیشہ نرم گوشہ رکھتے تھے۔اور ہر وقت مائل بہ کرم ہوتے تھے۔جب آقا مہربان ہوا اور غلام پر نوازشات برسانے کا وقت آیا تو حسب دستور قرعہ فال جناب سر ملک فیروز خان نون کے نام نکلا اور آپ ہندوستان کے پہلے ہندوستانی ہائی کمشنر بن کر ۱۹۳۴ء میں لندن وارد ہوئے تاکہ وہ آقا کے چرنوں میں بیٹھ کر خدمت اور غلامی کا کما حقہٗ حق ادا کرسکیں:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک سوچی سمجھی ترکیب کے مطابق یہاں لندن میں ان کی ملاقات آسٹریا کی ایک صہیونی (Zionist) یہودن خاتون سے کرائی گئی۔ملک صاحب اس حسینہ کے زلف گرہ گیر میں ایسے الجھ گئے کہ خلاصی مشکل ہوگئی۔بعد میں یہ خاتون بیگم وقار النساء نون کے نام سے مشہور ہوگئیں۔

تقسیم ہند کے نتیجے میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو یہ نیا ملک تمام ٹوڈیوں ، جاگیرداروں اور تاج برطانیہ کے ''غلامانِ خاص'' کی توجہ کا مرکز اور آماجگاہ بن گیا۔مگر قائد اعظم اور لیاقت علی خان کی موجودگی میں یہ ٹولہ زیادہ فعال نہ رہا بلکہ ان کی کارروائیاں زیر زمین رہیں۔جونہی یہ دو ہستیاں اٹھ گئیں، یہ ٹولہ پھر سرگرم عمل ہوا۔چنانچہ غلام محمد، سکندر مرزا اور دوسرے راج کے پالے ہوئے نئے پاکستان کے سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔سر فیروز خان نون اور سر ظفر اللہ خان یکے بعد دیگرے وزیر خارجہ بن گئے۔اس طرح ان تمام سامراج پرست صہیونی اسرائیل نواز گروہ کی خوابوں اور منصوبوں کی تکمیل ہوگئی۔وزارت خارجہ کو ٹوڈیوں، ذہنی غلاموں،صہیونی اسرائیل نواز سامراج پرستوں سے بھر دیا گیا اور پاکستانی خارجہ پالیسی کا رُخ مشرق سے ہٹا کر مغرب کی جانب پھیر دیا گیا اور ہر موقع اور محل پر اسلام اور مسلمانوں سے غداری کرکے مغربی اور سامراجی مفادات اور ترجیحات کا ہمیشہ ساتھ دیا گیا۔اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تھی تو

وہ یا دش بخیر جنرل پرویز مشرف نے بُش کا اتحادی بن کر ہمسایہ مسلمان ملک افغانستان پر حملہ کر کے پورا کر دیا:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

امریکی، صہیونی صلیبی جنگ ''وار آف ٹیرز'' میں شامل ہو کر لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر کے جنرل پرویز مشرف اپنی بہادری پہ نازاں ہوتے نظر آتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ۱۹۵۶ء میں پیش آیا تھا اور اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر سہروردی اور وزیر خارجہ سر فیروز خان نون نے بالکل وہی کردار ادا کیا تھا جو اس وقت جنرل پرویز مشرف ادا کر رہے ہیں جب جمال عبدالناصر نے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے لیا چونکہ ناصر کا یہ عمل سامراج کے مفادات کے خلاف تھا چنانچہ برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے ۱۹۵۶ء میں مصر پر جارحانہ حملہ کر دیا۔ دنیا کے تمام ممالک نے اس برہنہ جارحیت کے خلاف احتجاج کیا اور جارح کی بھرپور مذمت کی۔ یہاں تک کہ امریکہ جو عام طور پر مغربی بلاک کا سردار مانا جاتا ہے نے بھی اس جارحیت کی نہ صرف مذمت کی بلکہ جوابی کارروائی کی دھمکی بھی دی۔ مشرق وسطیٰ اور خاص طور پر مصر کی نظریں پاکستان کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ اسلام کے ناتے نہ سہی، محض حق و انصاف کے تقاضے کہ پیش نظر پاکستان اس جارحیت کی پُر زور مذمت کرے گا۔ پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر سہروردی نے وزیر خارجہ سر فیروز خان نون کے مشورہ پر مذمت تو خوب کی، مگر جارح کی نہیں مجروح کی خوب مذمت کی گئی اور مظلوم عبدالناصر پر برس پڑے کہ اس نے جارح کے مفادات کے خلاف نہر سویز کو کیوں قومی ملکیت میں لے لیا۔ لہٰذا ناصر مجرم ہے:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

غلامانہ ذہنیت کی حامل، صہیونیت (Zionism) نواز اور اسرائیل دوست' پاکستان کی وزارت خارجہ نے محض ناصر کی مذمت پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ مصر کے تازہ زخموں پر مزید نمک چھڑکا۔ مصر پر اس جارحانہ حملہ کے چند ماہ بعد کینیڈا میں ایک سفارتی تقریب میں پاکستان کے ہائی کمشنر مرزا عثمان علی بیگ نے اسرائیلی سفیر مسٹر ایم۔ ایس کومے کو اسرائیلی فوج کی شاندار کامیابی پر گرم جوش مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا ''ہمیں امید تھی کہ اسرائیل کی بہادر اور فاتح فوج جلد قاہرہ پر قابض ہوگی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ہمیں اس کا افسوس ہے'' اور ساتھ ہی جمال عبدالناصر پر برس پڑے اور خوب برائی کی اور انھیں ایک خطرناک لیڈر قرار دیا۔

ان حقیقی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی مرتب کرنے والوں نے ہمیشہ صہیونی، سامراجی اور اسرائیل نواز مفادات کو پیش نظر رکھا ہے اور ہمیشہ مغربی مفادات کے آلہ کار رہے ہیں اور اپنی قوم اور مسلم اُمہ سے غداری کی ہے۔ اس صورت حال میں اگر مرحوم یا سر عرفات، جمال عبدالناصر یا کوئی اور حریت پسند لیڈر پاکستان کے

خلاف منفی جذبات رکھتے تھے تو وہ بالکل حق بجانب تھے۔

بعض سادہ لوح لوگ صہیونی اور سامراج دشمنی کا تعلق مذہب سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور مذہبی حلقوں پر الزام دھرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اسرائیل کی مخالفت ہو رہی ہے۔ یہ بالکل بے بنیاد الزام ہے۔ تاریخی طور سے دیکھا جائے تو مذہبی قیادت نے مجموعی طور پر ہمیشہ سامراج کا ساتھ دیا ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق مذہب سے نہیں انصاف سے ہے۔

اس وقت امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور دوسرے یورپی ممالک میں تقریباً ۵۰٪ فیصد لوگ صہیونیت اور اسرائیل کے خلاف ہیں۔ اور اس مخالفت کے لیڈر یہودی ہیں اور نامور شخصیات ہیں۔ انصاف پسند یہودیوں کا اسرائیل کے خلاف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل ایک تنگ نظر، متعصب، نسل پرست، ظالم، وحشی اور فسطائی (Fascist) حکومت ہے۔ جو کہ عربوں کے قتل عام میں مصروف ہے۔ جہاں عورتوں اور بچوں کا قتل عام روز کا معمول ہے۔ جہاں غیر یہودی انسان نہیں بلکہ کتوں سے کم تر اور بدتر سمجھے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر نازی ازم (Nazism) برا اور مکروہ ہے تو صہیونیت اس سے ہزار درجہ بدتر ہے۔

جو لوگ اسرائیل جیسے نسل پرست، متعصب، مجرم اور فسطائی حکومت سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے خواہاں ہیں وہ یا تو اسرائیل کی دہشت گرد تاریخ اور دہشت گرد کارروائیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں یا یہ لوگ ذہنی بددیانتی اور منافقت کا شکار ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ لوگ قابل رحم بھی ہیں اور قابل نفرت بھی۔

-----------------------------------------

## انگریزی کتابوں کے حوالے


(1) Beyond The Veil (Israeli- Pakistan Relations) By: Prof. P.R. Kumara Swamy of Jaffe Centre for strategic studies. Telaviv University Israel. Published in March 2000.

(2) Diaries and Letters of Chaim Weizmann President of World Jewish Agency-Israel.

(3) Imapct Magazine London August 2003 Pakistan-Palestine The Zionist within